اقبال: تہذیبوں کے مابین مکالمے کا عَلَم بردار

ڈاکٹر معین الدین نظامی ☆

Abstract

Islam is the torch bearer of peace and harmony. It imparts its followers to respect all human beings considering the whole universe as the family of God. That is why Islam emphasizes dialogue with the practitioners of other religions in matters of mutual concerns. Allama Iqbal who spent all his life to revisit the true message of Islam through his unique poetry, was a great exponent of peace and dialogue among civilizations. Though he was a Muslim poet-philosopher, yet his verses abound in the respect of other religions and importance of dialogue among the nations of the world. This article establishes that Iqbal gave much importance to dialogue among civilizations through his prose and poetry.

اسلام امن و آشتی ، رواداری اور صلح پسندی کا دین ہے ۔ اس کے نام کا مطلب ہی سلامتی ہے ۔ ادیانِ عالم میں اسے یہ منفرد اعزاز و امتیاز حاصل ہے کہ یہ دینِ مکالمہ ہے ۔ رسالت کا مطلب بھی پیغام ہے اور پیغام کا ابلاغ مکالمے کے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتا ۔ اللہ کی آخری کتاب قرآن صحیفۂ دعوت و مکالمہ ہے ۔ رسولِ کریم ﷺ کی تبلیغی سرگرمیاں درحقیقت مشرکین اور یہود و نصاریٰ جیسے مختلف مذہبوں اور تہذیبوں کے حامل گروہوں سے آپ کے مکالمے ہی تو تھے جن کا مرکزی نکتہ خیر و صداقت اور فوز و فلاح کی طرف بلانا تھا ۔ قرآن و حدیث میں بین المذاہب

☆ رئیس شعبہ فارسی ، کلیہ شرقیہ ، جامعہ پنجاب ، لاہور

رواداری اور مذہبی وفکری مشترکات پر متحد رہنے کی تلقین متعدد بار کی گئی ہے۔قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب اورمشرکین کے ساتھ طویل اور مختصر مکالمے جا بہ جا ملتے ہیں۔ ان مکالموں میں کچھ راہ نما اصول بھی وارد ہوئے ہیں جن میں سے یہاں چند ایک کا ذکر ضروری ہے ۔

ارشادِ ربّانی ہے:

" لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَا سِكُوْهُ فَلَا يُنَازِ عُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ط اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ" ○۔ (۱)

''ہم نے ہر امّت کے لیے عبادت کا طریقہ مقرّر کیا ہے جس کے مطابق وہ عبادت کرتی ہے ۔ پس اس معاملے میں کوئی تم سے نہ الجھے۔تم اپنے ربّ کی طرف بلاؤ، بے شک تم سیدھے راستے پر ہو۔اگر وہ تم سے بحث مباحثہ کریں تو کہہ دو اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ قیامت کے روز ان باتوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے ہو''۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

" قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا " (۲)۔

'' آپ کہہ دیجیے اے اہلِ کتاب اُس بات پر آجاؤ جو ہم تم میں مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں''

پھر فرمایا: ''اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور لوگوں سے ایسے طریقے سے بحث کرو جو بہترین ہو''۔(۳) مزید ارشاد ہوا: '' کہو اللہ کے بارے میں ہم سے کیا جھگڑتے ہو حالاں کہ وہی ہے ہمارا ربّ بھی اور تمھارا ربّ بھی ۔ ہمارے لیے

ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال''۔(۴) اور: ''اگر وہ تمھیں جُھٹلا دیں تو کہو کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل۔ تم میرے عمل کی ذمہ داری سے بُری ہو اور مَیں تمھارے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوں''۔(۵) نیز فرمایا: ''تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین''۔(۶) ایک جگہ پر رسولِ کریم ﷺ کو اہلِ کتاب کی ریشہ دوانیوں پر درگذر کرنے کا حکم ہوا: فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوا''(۷) یعنی تم معاف کرتے رہو اور درگذر سے کام لو۔ سنّتِ نبوی سے ان تمام احکامِ الٰہی کی بجا آوری ثابت ہے۔(۸) آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اہلِ کتاب اور مشرکوں سے ہر ممکن حد تک اچھا برتاؤ کیا، ان کے خلاف جنگ میں کبھی پہل نہیں کی بلکہ ہمیشہ ان کی کُھلی جارحیت کے مقابلے میں اپنا دفاع کیا۔

مکالمہ رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ ہے۔آپ نے مشرک اور اہلِ کتاب بادشاہوں کو کثرت سے مراسلے بھجوائے، ان کے ساتھ سفارتی وفود کے تبادلے کیے اور اہلِ کتاب کے وفود کے ساتھ ہمیشہ مسجدِ نبوی جیسے مقدس مقام پر مذاکرت فرمائے۔صحابۂ کرام نے بھی اس سنت پر عمل جاری رکھا۔نجاشی (متوفی: ۹ھ/۶۳۱ء) کے دربار میں حضرت جعفر طیّار (شہادت: ۸ھ/۶۲۹ء) کی نا قابلِ فراموش گفتگو بین المذاہب اور بین الاقوام مکالمے کی درخشندہ مثال ہے۔

قرآن وسنّت کی روح یہی ہے کہ اپنے عقائد ونظریات پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے مذہبی وتہذیبی تعصّب، جارحیت اور تصادم سے گریز کیا جائے اور تہذیبوں کے مابین انسانی، اخلاقی، علمی، فکری، معاشرتی، سیاسی اور تجارتی مکالمے کا دروازہ آخری وقت تک کُھلا رکھا جائے۔ یہ ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمان مبلّغین دنیا کے جس خطّے میں بھی گئے، اسلام کے اِسی زرّیں آفاقی اصول پر عمل پیرا رہے اور دنیا کے اطراف واکناف میں حیرت انگیز کامیابی کے ساتھ جاری رہنے والی صوفیۂ کرام کی تبلیغی سرگرمیوں کا محور ومدار بھی یہی اصول رہا ہے۔

قُرونِ وسطٰی کے مسلمان دانشوروں میں مولانا جلال الدّین رومی (۶۔ ربیع الاول ۶۰۴ھ/ ۳۰۔ستمبر ۱۲۰۷ء--- ۱۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ/ ۱۷۔دسمبر ۱۲۷۳ء) تہذیبی مکالمے کی

ضرورت و اہمیت کے سب سے بڑے داعی تھے ۔علاّمہ اقبال نے رومی کو بہ جا طور پر اپنا مرشدِ معنوی قرار دیا ہے ۔ اتفاق سے ان دونوں بڑی شخصیتوں کے عصری مسائل بھی کم و بیش ایک جیسے ہی تھے ۔ دونوں ہی کے عہد میں تہذیبوں کے مابین ہول ناک تصادم کے خطرات انتہا کو پہنچ چکے تھے ۔ رومی کی منظوم اور نثری تخلیقات میں بھی تہذیبی قربت اور مکالمے کی افادیت اجاگر کی گئی ہے اور اکثر صوفیہ کی طرح ان کا اپنا اسلوبِ زندگی بھی مذہبی رواداری اور تہذیبی مکالمے کا آئینہ دار ہے۔ رومی اپنے مذہب و مسلک میں انتہائی راسخ العقیدہ تھے مگر تعصب اور تنگ نظری سے مکمل طور پر محفوظ تھے ۔ ایک روز ایک یہودی مذہبی پیشوا کا اُن سے سامنا ہوگیا۔ اس نے رومی سے پوچھا کہ آپ کا دین بہتر ہے یا ہمارا دین؟ رومی نے کہا: آپ کا دین! یہ وسعتِ مشرب دیکھ کر وہ یہودی راہ نما مسلمان ہو گئے ۔(۹) اسی طرح ایک بار ایک عیسائی معمار رومی کے مکان میں تعمیر و مرمت کا کچھ کام کر رہا تھا۔ رومی کے عقیدت مندوں میں سے کسی نے اس سے کہا کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے ؟ اس نے کہا کہ پچاس سال سے عیسیٰ کے دین پر ہوں، اب اسے چھوڑنے کے خیال سے شرمندگی محسوس ہوتی ہے اور ڈرتا ہوں ۔ اسی اثنا میں رومی وہاں آ گئے ۔ انھوں نے کہا: ''ترس'' (خوف) ہی اصل ایمان ہے ، جو شخص ''ترساں'' ہو، خواہ ''ترسا'' (عیسائی) ہی کیوں نہ ہو، وہ دین دار ہے ، بے دین نہیں''۔ محبت اور حوصلہ افزائی کا یہ خوب صورت انداز دیکھ کر وہ معمار رومی کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا (۱۰)۔

رومی کا یہی وہ اندازِ فکر تھا جس سے متاثر ہوکر کم و بیش اٹھارہ ہزار یہودی ، عیسائی اور آتش پرست آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے اور مرید ہوئے ۔(۱۱) رومی کی اسی وسیع النظری کی وجہ سے آپ کے ارادت مندوں میں یہود و نصاریٰ بھی خاصی تعداد میں شامل تھے اور اسی مرنجاں مرنج شخصیت کا اثر ہے کہ ہر مذہب و ملّت اور مسلک و طریق کے لوگ آج بھی آپ کی یکساں عزّت و تکریم کرتے ہیں۔ (۱۲) رومی کے جنازے میں یہودی ، عیسائی اور آتش پرست علما بھی شامل تھے اور عوام بھی ۔ یہودیوں کا کہنا تھا کہ رومی ہمارے لیے حضرت موسیٰ کے نائب تھے ۔ عیسائی انھیں حضرت عیسیٰ کا نائب اور آتش پرست انھیں زرتشت کا نائب کہتے تھے ۔(۱۳)

تہذیبوں کے مابین مکالمے کے لیے بَرِصغیر پاکستان و ہند کی کثیر الاقوامی سرزمین بہت زرخیز ثابت ہوئی ۔ اس کا آغاز بَرِصغیر میں ورودِ اسلام کے ساتھ ہی ہوگیا ۔ بعد میں صوفی مبلّغین کی قائم کردہ خانقاہیں رواداری ، وسعتِ نظر اور مذہبی وتہذیبی مکالمے کے عظیم مراکز کے طور پر سامنے آئیں ۔ اس حوالے سے پاک پتن میں قائم ہونے والی حضرت بابا فرید الدّین مسعود گنج شکرؒ (۵۸۴ھ/۱۱۸۸ء -- ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء) کی چشتی خانقاہ کا ذکر بے حد ضروری ہے جہاں ہندو اور بعد میں سکھ بڑی تعداد میں آتے جاتے رہتے تھے اور ایک دوامی مکالمے کی سی فضا رہتی تھی ۔ بابا فریدؒ، رومی کے ہم عصر مشائخ میں بہت اعلی مرتبے کی حامل شخصیت تھے ۔ بابا فریدؒ کے خلیفہٗ اعظم حضرت خواجہ نظام الدّین اولیا (۶۳۶ھ/۱۲۳۴ء -- ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء) بیان فرماتے ہیں کہ مَیں شیخ کی خدمت میں اجودھن / پاک پتن میں مقیم تھا کہ ایک جوگی وہاں آیا ۔ مَیں نے اس سے پوچھا کہ تم کس راستے پر چلتے ہو؟ اور تمھارے ہاں اصل معاملہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہمارے علم میں یوں آیا ہے کہ نفسِ انسانی کے دو عالَم ہیں ۔ ایک علوی اور دوسرا سفلی ۔ سر کی مانگ سے ناف تک عالمِ علوی ہے اور ناف سے قدم تک سفلی ۔ کام کی بات یہ ہے کہ عالمِ علوی میں تمام تر صدق وصفا ، اعلی اخلاق و اعمال ہوں گے اور عالمِ سفلی میں نگاہداشت اور پاکی و پارسائی ہوگی ۔ حضرت خواجہ نظامؒ نے فرمایا کہ مجھے اس جوگی کی یہ بات بہت اچھی لگی ہے ۔ (۱۴) بَرِصغیر کی اکثر وبیشتر خانقاہوں میں مکالمے کی یہی فضا تھی جو آگے چل کر بھگتی تحریک جیسی کئی فکری تحریکوں کا باعث بنی ۔ بَرِصغیر کی خانقاہوں میں بین المذاہب مکالمے کا ماحول بہ جاے خود ایک اہم تحقیقی موضوع ہے جو بہت وسیع بھی ہے اور بے حد مفید بھی ۔

مغلیہ دورِ حکومت میں بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر یہ معاملہ بَرِصغیر کا سب سے اہم سیاسی ، ثقافتی اور علمی وفکری مسئلہ بن گیا ۔ اکبر کے عہد (۹۶۳ھ/۱۵۵۶ء - ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء) میں اس طرزِ فکر کو بہت فروغ ملا لیکن بدقسمتی سے اس میں کئی منفی اور اغراضی رویے بھی در آئے اور اس کے نتائج مثبت سے زیادہ منفی صورتوں میں سامنے آئے ۔ بعد میں مشہور دانشور شہزادے داراشکوہ (۱۶۱۵ء - ۱۶۵۹ء) نے بھی علمی وفکری میدان میں تہذیبی مکالمے کی سرپرستی جاری رکھی ۔

بدنصیبی سے داراشکوہ کی کوششیں بھی جزوی طور پر ہی بارور ہوسکیں اور ان کے نتائج اکبر کی مساعی کے حاصلات سے کچھ مختلف نہ نکلے۔

انیسویں اور بیسویں صدی کے بّرِصغیر میں ہندو، بدھ، سکھ اور پارسی مذاہب کے لوگوں کے ساتھ ساتھ برطانیہ اور یورپ کے بعض دیگر ممالک کے عیسائی باشندے بھی موجود تھے، تہذیبوں کے مابین مکالمے کی اہمیت وضرورت کا احساس دو چند ہو چکا تھا اور مشرق ومغرب کے تصادم کی راہیں ہموار ہورہی تھیں۔ مغربی ثقافت کی یلغار بھی مقامی قلوب واذہان کو فتح کیے جارہی تھی اور اس کے ذیل میں لادینیت، اخلاقی بے راہ روی، فرقہ واریت اور بہت سی دوسری خرابیاں مقامی معاشرے میں سرایت کررہی تھیں۔ ایسی فضا میں کئی مسلمان مفکرین نے اپنی اپنی صلاحیت اور استعدادِ کار کے مطابق ملی ترجیحات کے تعین اور ان کے حصول کے لیے یادگار کوششیں کیں۔ ملّت کے ان محسنوں میں علّامہ اقبال کا نام سرِفہرست ہے۔

علّامہ اقبال اس اعتبار سے نادرِ روزگار خوش نصیب تھے کہ وہ اکثر وبیشتر مذاہب عالم کی تعلیمات اور تاریخ سے آگاہ تھے، مختلف تہذیبوں کی روح سے آشنا تھے، کئی زبانیں جانتے تھے اور ان کے ادبیاتِ عالیہ میں بھی تبحر رکھتے تھے، مغربی تہذیب کی خوبیوں اور خامیوں سے کماحقہ، واقف تھے، خود براہِ راست اس کا تجربہ کرچکے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ راسخ العقیدہ مسلمان، محبِ وطن، انسانیت کے مخلص دردمند اور ملّت کو درپیش گوناں گوں مسائل کا درست ادراک رکھنے والے روشن خیال مفکّر تھے۔ وہ اپنے حاصلِ مطالعہ وتجزیہ کے بہترین تحریری وتقریری ابلاغ پر بھی غیرمعمولی قدرت رکھتے تھے۔ چناں چہ اقبال نے اپنی تخلیقات، تقاریر اور بیانات میں تہذیبوں کے مابین مکالمے کی ایسی فکر افروز شمع جلائی جوعصری مسائل کا شعور رکھنے والے پُر اخلاص ذہنوں کے لیے بہت پُرکشش ثابت ہوئی۔ اس موضوع پر اقبال کے افکار میں اخلاص و دردمندی بھی ہے اور فکری ونفسیاتی گہرائی بھی۔ وہ اپنے عہد میں تہذیبوں کے مابین مکالمے کے سب سے بڑے مسلمان داعی تھے۔ ان کی مساعیِ جمیلہ برِّصغیر میں ہونے والی پہلی کوششوں کے

مقابلے میں کہیں زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوئیں ۔ اس لیے کہ انھوں نے دینی عقائد ونظریات اور شرعی مسلّمات کو مجروح کیے بغیر دیگر مذاہب و اقوام کو دعوتِ مکالمہ دی۔ اقبال کی راست فکر نے اس اہم مذہبی، سیاسی اور سماجی مسئلے کو درست ترین تناظر میں پیش کیا اور اسے فکری کجی اور عملی انحرافات سے بچاتے ہوئے بے مثال حد تک موثر بنا دیا۔

علاّمہ اقبال کی اس جامعیت کو مشہور جرمن ناول نگار ہرمن ہیسے نے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

> ''سر محمد اقبال روح کی تین مملکتوں سے متعلّق ہیں ۔ چناں چہ روح کی یہی تین مملکتیں ان کے عظیم کام کا سرچشمہ ہیں ۔ یہ ہیں: ہندوستان کی دنیا، اسلام کی دنیا اور مغرب کا فکری سرمایہ''۔(۱۵)

ایک اور مستشرق فرانسس رابسن کے بقول اقبال: ''مشرق ومغرب کے درمیان ایک الحاقی پُل کا فرض انجام دیتے ہیں اور ایسے میں یہ فرض ادا کرتے ہیں جب اس قسم کے پلوں کی سخت ضرورت تھی''۔(۱۶)

علاّمہ اقبال کی عملی زندگی اس نقطۂ نظر کا بہترین مظہر تھی ۔ وہ ایک کھلے دل ودماغ والے بے تعصب شخص تھے۔ ان کے حلقۂ احباب میں مختلف مذہبوں اور نسلوں سے تعلّق رکھنے والے کئی مرد وزن شامل تھے۔ انھوں نے کئی غیر مسلموں کے فکر وفن سے استفادہ کیا اور اپنی تخلیقات میں محبت و احترام سے ان کا ذکر بھی کیا۔ انھوں نے ہندوؤں اور انگریزوں کی خوبیوں کا شایانِ شان اعتراف کر کے اپنی عظمت میں اضافہ کیا۔ معروف انگریز نقّاد اور ناول نگار ایم۔ای۔ فاسٹر نے علاّمہ اقبال کے اسی پہلو کو سراہتے ہوئے لکھا تھا:

> ''اقبال کٹر مسلمان تو تھا مگر وہ کہنہ روایات کا پرستار نہ تھا ۔۔۔ اس کے خیالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں مگر وہ انتہا پسند اور متعصّب نہ تھا ۔۔۔ چناں چہ اس نے ہندوؤں اور عیسائیوں کا ہمیشہ ادب واحترام سے تذکرہ کیا''۔(۱۷)

اقبال میں مذہبی رواداری بہ درجۂ اَتم پائی جاتی تھی ۔ انسانی بھائی چارے پر ان کا یقین بہت پختہ تھا۔ وہ مذہبی بنیادوں پر کسی سے نفرت یا دوری کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے ۔ وہ مذہب کی اخلاقی اورصوفیانہ تعبیر کے حامی تھے ۔ اس تصورِ مذہب میں عالمگیریت اور انسان دوستی خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ (۱۸)

علاّمہ اقبال کے بہ قول : ’’ اسلام سے بڑھ کر انسان دوستی اور وسیع المشربی ہے کہاں؟ اسلام ہی نے سب سے پہلے وحدتِ انسانی پر زور دیا‘‘ ۔ (۱۹)فرزندِ اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں : ’’ اپنی نجی زندگی میں انھوں نے مذہبی اختلافات کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی ۔ کئی ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ ان کے گہرے دوستانہ مراسم تھے اور بعض ہندو عقیدت منداپنے اشعار میں ان سے اصلاح بھی لیتے تھے‘‘ ۔ (۲۰)

اقبال کے کئی اساتذہ غیر مسلم تھے اور اقبال کو ان سے عقیدت کی حد تک محبت تھی ۔ بعد میں جب مس ڈورانے علاّمہ اقبال کی بیٹی منیرہ کو کنیئرڈ سکول میں داخل کرایا تو اقبال کو بتایا کہ مشنری سکولوں میں تمام بچے صبح مذہبی رسوم میں شرکت کرتے ہیں جہاں انجیل پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے ۔ اقبال نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا اور بتایا کہ انھوں نے خود بھی انجیل کا مطالعہ کیا ہوا ہے ۔ البتہ انھوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ منیرہ کو گھر میں قرآن کریم اور ابتدائی اسلامی تعلیم دلانے کا اہتمام کیا جائے تا کہ وہ خود اسے سمجھنے کے قابل ہو سکے ۔ (۲۱)

علاّمہ اقبال نے جن غیر مسلموں سے استفادہ کیا ، روابط رکھے اورانھیں کسی نہ کسی شکل میں خراجِ تحسین پیش کیا، ان کی فہرست خاصی طویل ہے ۔ اقبال کے اردو، فارسی کلیات ،مکتوبات اورشذرات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حلقہ کتنا وسیع ہے ۔ اس موضوع پر ایک باقاعدہ کتاب بھی شائع ہوچکی ہے ۔ (۲۲)

اس ضمن میں اقبال کی یہ تحریر بہت اہم ہے :

’’مَیں اعتراف کرتا ہوں کہ مَیں نے ہیگل ، گوئٹے ،مرزا غالب ،عبدالقادر بیدل

اور ورڈز ورتھ سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ہیگل اور گوئٹے نے اشیا کی باطنی حقیقت تک پہنچنے میں میری رہ نمائی کی۔ بیدل اور غالب نے مجھے یہ سکھایا کہ مغربی شاعری کی اقدار اپنے اندر سمو لینے کے باوجود اپنے جذبے اور اظہار میں مشرقیت کی روح کیسے زندہ رکھوں اور ورڈز ورتھ نے طالب علمی کے زمانے میں مجھے دہریّت سے بچایا''۔(۲۳)

علاّمہ اقبال فکری اور عملی طور پر تمام مذاہبِ عالم کا دلی احترام کرتے تھے اور اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ان کے ساتھ رواداری اور تکریم سے پیش آنے کے حق میں تھے۔انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کے طور پر ۲۹۔دسمبر ۱۹۳۰ء کو جو خطبۂ صدارت دیا، وہ اس موضوع پر ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے کے لیے کافی ہے۔فرماتے ہیں:

''مَیں دوسرے مذہبوں/فرقوں کے رسم و رواج ،قوانین اور مذہبی اور معاشرتی اداروں کا بے حد احترام کرتا ہوں۔یہی نہیں بلکہ یہ تو قرآنی تعلیم کے عین مطابق میرا فرض ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو مَیں ان کی عبادت گاہوں کا دفاع بھی کروں''۔(۲۴)

اسی خطبے میں آگے چل کر کہتے ہیں:

''مسلمانوں اور اہلِ کتاب میں کوئی معاشرتی رکاوٹ حائل نہیں ۔ ایک یہودی، ایک عیسائی یا ایک زرتشتی کا ہاتھ لگ جانے سے مسلمان کا کھانا پلید نہیں ہوجاتا۔اسلامی قانون اہلِ کتاب کے ساتھ شادی بیاہ کی اجازت دیتا ہے ۔دراصل اسلام نے بنی نوع انسان کے اتحاد کے ضمن میں جو پہلا عملی قدم اٹھایا، وہ تھا ایک ہی نوع کے اخلاقی ضابطے رکھنے والوں کو اتحاد کی دعوت دینا''۔(۲۵)

۲۴۔جنوری ۱۹۲۱ء کو پروفیسر نکلسن (۱۸۶۸۔۱۹۴۶ء) کے نام لکھے جانے والے

طویل اور بے حد اہم خط میں بھی اقبال نے انھی خیالات کا اظہار کیا تھا:

''اسلام تو کائناتِ انسانیت کے اتحادِ عمومی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے تمام جزوی اختلافات سے قطع نظر کر لیتا ہے''۔(۲۶)

وہ اسی خط میں مختلف مذاہب و اقوام کے اتحاد کی اہمیت کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کی توضیح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''خدا کی ارضی بادشاہت صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام انسان اس میں داخل ہوسکتے ہیں، بہ شرطے کہ وہ نسل اور قومیت کے بتوں کی پرستش ترک کر دیں اور ایک دوسرے کی شخصیت تسلیم کرلیں''۔(۲۷)

اقبال ۱۴۔نومبر ۱۹۳۴ء کو سیّد محمد سعید الدین جعفری کے نام مکتوبہ خط میں لکھتے ہیں:

''اس بات میں مَیں آپ سے متفق ہوں کہ مسلمانوں کو محبت کا طریق اپنانا چاہیے۔ نبی کریم کی حدیث ہے کہ مسلمان دنیا کے لیے سراپا شفقت ہے مگر اس اخلاقی انقلاب کو حاصل کرنے کے لیے بھی یہی ضروری ہے کہ اسلام اپنی اصلی روشنی میں پیش کیا جائے۔ میرا ذاتی طریق یہی ہے کہ مَیں دنیا کی تمام مذہبی تحریکوں کو ادب اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، گو یہ احترام مجھے ایسی تنقید سے باز نہیں رکھ سکتا جس کی بنا دیانت پر ہو اور جس میں سوائے خلوص کے اور کچھ نہ ہو''۔(۲۸)

علامہ اقبال ایسے بے تعصب شخص تھے کہ انھوں نے ہندوؤں اور انگریزوں کی خوبیوں کو بھی بہت سراہا اور ان سے بھی بہ جا طور پر یہ توقع رکھی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی خوبیوں کا اعتراف و اظہار کریں۔ وہ ایک خط میں فرماتے ہیں:

''میرا یہ مطلب نہیں کہ ہندوؤں کے خلاف مجھے تعصب ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مَیں ان کی قربانیوں اور ہمّت کا، جس کا انھوں نے پچھلے چند سالوں

میں مظاہرہ کیا ہے، دل سے مدّاح ہوں۔ انھوں نے زندگی کے ہر شعبے میں
ممتاز شخصیتیں پیدا کی ہیں اور وہ بہت تیزی سے معاشرتی اور اقتصادی ترقی
کے راستے پر گام زن ہیں''۔(۲۹)

علاّمہ اقبال نے انگریزوں کے ساتھ بھی ،فکری، سیاسی اور سماجی مکالمہ جاری رکھا۔ وہ گول میز کانفرنسوں میں شریک ہوتے رہے اور وقتاً فوقتاً مختلف انگریز دانشوروں کو ان کی خوبیوں کا احساس دلاتے ہوئے، اس موضوع کی اہمیت کی طرف متوجہ کرتے رہے۔ جولائی ۱۹۳۱ء میں انھوں نے سر فرانسیس ینگ ہسبنڈ (۱۸۶۳۔۱۹۴۲ء) کو ایک طویل خط لکھا جس کے کچھ اقتباسات ۳۰۔ جولائی ۱۹۳۱ء کو روز نامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع ہوئے تھے۔(۳۰) اس خط کے کئی حصے بہت اہم ہیں۔ اس خط میں اقبال نے انگریز قوم کی خوبیوں کا بہت دیانت دارانہ بیان کیا ہے، عالمی امن کے قیام کے سلسلے میں برطانیہ کو اپنا کردار ادا کرنے پر قائل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس ضمن میں ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی ہے۔ اقبال نے یہ خواہش بھی ظاہر کی ہے کہ انگلستان اور ہندوستان کے اختلافات کا خاتمہ ہونا چاہیے اور ہندوستانی اقوام کو بھی اپنے وطن میں صلح اور ''باہمی مطابقت'' سے رہنا چاہیے۔ لکھتے ہیں:

''انگلستان پر ۔۔۔ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جنگ وجدال اور قومی تنفّر کی
طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد کرنے میں پیش قدمی کرے۔ ہم ہندوستانی
اس نیک کام میں تعاون پیش کرنا اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھیں گے۔۔۔
انگلستان اس وقت اس مقصد کے حصول کے لیے تمام بنی نوع انسان کی
قیادت کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ وہاں کے لوگوں کی سوجھ بوجھ، ان کا
انسانی فطرت کے گہرے مطالعے پر مبنی سیاسی شعور، ان کی متانت، مستقل
مزاجی ،متعدد لوازم میں دوسروں پر ان کی اخلاقی برتری، مادّی ذرائع پر ان
کا حیرت انگیز انضباط، انسانی فلاح و بہبود کے لیے بہت سی تحریکوں کا وجود

اور زندگی کے ہر شعبے میں ان کی تنظیم، یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ کوئی غیر ملکی ان کی تعریف کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔۔

مَیں اس دن کا منتظر ہوں جب کہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان اختلافات دور ہو جائیں گے اور دونوں ممالک نہ صرف اپنے لیے بلکہ بنی نوع انسان کی بہبود کے لیے کوئی پروگرام بنائیں گے۔۔۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خود ہندوستان میں باہمی مطابقت کی ضرورت ہے اور جب تک ہم اپنے خانگی جھگڑے طے نہ کر لیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا نہ سیکھ لیں، ہم بین الاقوامی امن کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔(۳۱)

علامہ اقبال نے ۱۷۔ مارچ ۱۹۳۳ء کو لکھے گئے ایک خط میں لارڈ لوتھین (۱۸۸۲۔ ۱۹۴۰ء) کو بھی لکھا کہ ''میرے خیال میں مناسب ترین وقت یہی ہے کہ انگلستان کو اسلام کے تہذیبی پہلو میں سنجیدگی کے ساتھ دل چسپی لینی چاہیے''۔(۳۲) ۲۹۔ جنوری ۱۹۳۴ء کو مشہور برطانوی مصور اور دانشور سر ولیم روتھن اسٹائن (۱۸۷۲۔۱۹۴۵ء) کے نام ایک خط میں بھی اقبال نے اسی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا: ''مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ہندوستان سے آپ کا رابطہ مسلسل قائم ہے۔ اس وقت ایشیا کی ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ انگلستان کے بہترین مفکرین اس کو سمجھیں اور ان مسائل کی فہم پیدا کریں جو اس خطۂ ارض کے رہنے والوں کی تازہ بیداری سے رونما ہو رہے ہیں۔ یہ وہ مسائل اور معاملات ہیں جن پر برطانوی قوم بلکہ پوری جدید تہذیب کا مستقبل کلی طور پر منحصر ہے''۔(۳۳)

علامہ اقبال ہندوستانی اقوام خصوصاً ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین سیاسی اور معاشرتی فاصلے کم سے کم تر کرنے کے لیے بھی صدقِ دل سے کوشاں رہے۔ بَرِصغیر میں مختلف اوقات میں ہونے والے ہندو مسلم فسادات میں انھوں نے ہمیشہ سفیرِ امن وصلح کا کردار ادا کیا۔ اس حوالے

سے ان کی مخلصانہ مساعی بھی تاریخ کا روشن باب ہیں ۔ یکم مئی ۱۹۲۷ء کو لاہور میں منعقد ہونے والے صوبائی مسلم لیگ کے ایک اجلاس میں انھوں نے فرمایا:

''میں سب سے پہلا ہندوستانی ہوں جس نے ہندو مسلم اتحاد کی اہمیت و ضرورت کا احساس کیا'' ۔(۳۴)

ڈاکٹر جاوید اقبال کے بہ قول:

''اس ہنگامی اور جذباتی دور میں جب لاہور میں آئے دن کسی نہ کسی مسئلہ پر ہندو مسلم فسادات برپا ہوتے تھے ، وہ ایک مقبولِ عام سیاسی رہنما کی طرح مظلومین کی امداد یا ہندو مسلم مفاہمت کی خاطر شہر کے گلی کوچوں میں گھومے ، عوامی جلسوں میں مسلمانوں کی راہ نمائی کی اور جلوسوں میں شریک ہو کر ان کے جذبات کو بے قابو نہ ہونے دیا'' ۔(۳۵)

تہذیبوں کے مابین مکالمے کے عظیم سفیر کی حیثیت سے افکارِ اقبال کی بہتر تفہیم میں اسرارِ خودی ، پیام مشرق اور خطبات کے دیباچے بہت مفید ثابت ہوسکتے ہیں ۔ اسرارِ خودی کے دیباچے میں انھوں نے سری کرشن اور سری شنکر کو خراج تحسین پیش کیا ۔ انگریزوں کی ''حسِ واقعات'' کو سراہا اور فرمایا کہ ''حق یہ ہے کہ انگریزی قوم کی نکتہ رسی کا احسان تمام دنیا کی قوموں پر ہے (۳۶) ، پیام مشرق کے دیباچے میں یورپ اور خاص طور پر جرمن شاعروں کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کیا اور عالمی اتحاد و برادری کے قیام کی خواہش ظاہر کی۔ (۳۷) خطبات کے دیباچے میں انھوں نے توجہ دلائی کہ اسلامی دنیا ذہنی اعتبار سے نہایت تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف بڑھ رہی ہے اور یہ تحریک بہ جائے خود قابلِ مذمت نہیں ہے کیوں کہ مغربی تہذیب بھی دراصل اسلامی تہذیب ہی کے بعض پہلوؤں کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے ۔ البتہ اس میں یہ اندیشہ ضرور ہے کہ مغربی تہذیب کی ظاہری آب وتاب کہیں حارج نہ ہو جائے اور یہ تحریک اس کی روح تک نہ پہنچ پائے ۔(۳۸)

بیسویں اور اکیسویں صدی میں مشرق و مغرب کے کئی دانشوروں کو تہذیبوں کے مابین تصادم کے سنگین خطرات کا احساس ہوا، انھوں نے موضوع کا تجزیاتی مطالعہ کیا اور اہم تصانیف کی صورت میں اپنے افکار پیش کیے۔ ان میں برنارڈ لوئیس، جون اسپوسیٹو، ہنٹنگ ٹن، لیسٹر پیٹرسن، فرانسیس فوکویاما، شیرین ہنٹر اور ایڈورڈ سعید اہم ہیں۔(۳۹) اقبال کو ان تمام مفکرین سے پہلے ان خطرات کا ادراک ہوگیا تھا، انھوں نے بار بار اس قیامت خیزی کا احساس دلایا اور تمام اقوامِ عالم کی توجہ دلائی کہ وہ اس سے بچنے اور بچانے کے لیے سرگرمِ عمل ہوں۔ اقبال نے ۱۹۳۶ء میں ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' کے نام سے جو معرکہ آرا نظم کہی، اس کا یہی پیغام ہے۔ ان کی ایک اور نظم ''ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام'' عہدِ حاضر کی سیاسی زبوں حالی کے تناظر میں زندہ ترین معنویت کی حامل ہے:

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں   زناریوں کو دیرِ کہن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا   روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات   اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج   مُلّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو   آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو (۴۰)

انیسویں صدی میں فرانسیسی ذرائع ابلاغ نے سید جمال الدین افغانی (۱۸۳۸۔۱۸۹۷ء) کی تحریکِ اتحادِ اسلامی کے لیے ''پان اسلام ازم'' کی اصطلاح وضع کی تھی جس کا مقصد اقبال کی نظر میں محض یہ تھا کہ ایک ہوّا بنا کر اس کی آڑ میں اسلامی ممالک پر یورپ کی چیرہ دستیاں جاری رکھی جائیں اور انھیں جواز فراہم کر دیا جائے۔(۴۱) آج کل بنیاد پرستی، رجعت پسندی، دہشت گردی، طالبان اور القاعدہ کے نام پر سفاکیت اور بربریت کا بازار گرم ہے۔ ''سرخ خطرے'' کا قلع قمع کرنے کے بعد اب ''سبز خطرے'' کو کچلنے کی سرتوڑ کوششیں جاری ہیں۔ ایسے میں اقبال کا آخری نشریاتی پیغام کتنا بھرپور اور برمحل ہے جو یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو

آل انڈیا ریڈیو کے لاہور سٹیشن سے نشر کیا گیا تھا۔ اس میں انھوں نے واضح کر دیا تھا کہ اس دنیا میں انسان کی بقا، انسانیت کے احترام کو ملحوظِ خاطر رکھنے ہی سے ممکن ہے اور صرف وہی اتحاد قابلِ اعتماد ہے جس کی بنیاد اخوتِ انسانی پر رکھی گئی ہو۔(۴۲) اقبال نے تشدد، خوں ریزی، مذہبی، اخلاقی اور ثقافتی قدروں کی پامالی، انتشار، بدامنی اور نفسانفسی پر انتہائی دکھ کا اظہار کیا۔ اقبال کا یہ پیغام عہدِ حاضر کی سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی گراوٹ کا ناقابلِ فراموش نوحہ ہے۔ انھوں نے اس پیغام کا اختتام اس دعا پر کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ صاحبانِ اقتدار کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ انسانیت کو پروان چڑھا سکیں۔(۴۳)

تہذیبوں کے مابین مکالمے کے اس عظیم داعی نے جاوید نامہ میں اپنے نورِ نظر جاوید اقبال اور آنے والی نئی نسلوں کو یہ وصیت کی ہے کہ مذہب وملت اور رنگ و نسل کی تفریق کیے بغیر تمام انسانوں کا احترام کیا جائے۔ انسانیت کا رشتہ سب سے بڑا ہے۔ کافر اور مومن سب خلقِ خدا ہیں اور سب سے شفقت کا مظاہرہ کرنا چاہیے کہ یہی سنتِ الٰہی ہے:

حرفِ بد را بر لب آوردن خطاست   کافر و مومن ہمہ خلقِ خداست
آدمیت احترام آدمی   با خبر شو از مقامِ آدمی
آدمی از ربط و ضبطِ تن بہ تن   بر طریقِ دوستی گامی بزن
بندۂ عشق از خدا گیرد طریق   می شود بر کافر و مومن شفیق (۴۴)

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ القرآن، سورہ الحج، ۶۷، ۶۸، ۶۹

۲۔ القرآن، سورہ آلِ عمران، ۶۴

۳۔ القرآن، سورہ النحل، ۱۲۵

۴۔ القرآن، سورہ البقرہ، ۱۳۹

۵۔ القرآن، سورہ یونس، ۴۱

۶۔ القرآن، سورہ الکافرون، ۶

۷۔ القرآن، سورہ البقرہ، ۱۰۹

۸۔ تہذیبی ہم آہنگی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے مزید آگاہی کے لیے دیکھیے:
محمد خلیفہ حسن احمد، محمد ضیاء الحق، ''تہذیبی ہم آہنگی: اسلامی تعلیمات کے تناظر میں''، مجلہ معارف اسلامی، کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد ۷، شمارہ ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۸ء، ص ۹۵۔۱۱۴

۹۔ افلاکی، شمس الدین احمد، مناقب العارفین، بہ کوشش تحسین یازیجی، تہران، دنیای کتاب، ۱۹۸۳ء، ج ۲، ص ۲۹۰

۱۰۔ تلمذ حسین، قاضی، مولانا جلال الدین رومی، عظیم مسلم فلسفی شاعر کا زندگی نامہ، لاہور، بک ہوم، ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۴

۱۱۔ افلاکی، ج ۲، ص ۳۶۸

۱۲۔ تلمذ حسین، ص ۲۲۸

۱۳۔ افلاکی، ج ۲، ص ۳۷۲

۱۴۔ سجزی، امیر حسن علا، فوائد الفواد، ترجمہ: پروفیسر محمد سرور، لاہور، علماء اکیڈمی، اوقاف پنجاب، ۱۹۸۰ء، ص ۱۸۹، ۱۹۰

۱۵۔ ھیسے نے یہ رائے جاوید نامہ کے جرمن ترجمے کے پیش لفظ میں لکھی ہے جو این میری شمل نے کیا تھا: Muhammad Iqbal and the Three Realms of the Spirit, Humburg, 1977, P.59.

۱۶۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، پیام اقبال کی عالمگیر مقبولیت، مشمولہ: علامہ اقبال، حیات، فکر و فن (۱۰۱ مقالات)، مرتبہ ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۸۴۷

۱۷۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ص ۸۴۴

۱۸۔ سیال، طالب حسین ، اقبال اور انسان دوستی ، کراچی ، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء، ص ۲۵۰

۱۹۔ نذیر نیازی ، سیّد ، اقبال کے حضور ، نشستیں اور گفتگوئیں، کراچی ، اقبال اکادمی ، جلد اوّل، ۱۹۷۱ء، ص ۳۳۵

۲۰۔ جاوید اقبال ، زندہ رود ، لاہور ، اقبال اکادمی پاکستان ، ۲۰۰۰ء، ص ۴۷۳

۲۱۔ جاوید اقبال ، ص ۷۹۹

۲۲۔ منصور گل ، ریاض طاہر ، علامہ اقبال اور مسیحی مشاہیر ، لاہور، ۲۰۰۲ء، نیز ''اقبال کے دل میں غیر مسلم مفکرین ، حکماء اور فلاسفہ کے لیے عزت و احترام''، مشمولہ اقبال میرا ہم سفر، شیر افضل خان بریکوٹی ، سوات ، شعیب سنز ، ۲۰۰۷ء، ص ۱۰۷۔ ۱۳۰

۲۳۔ اقبال، شذراتِ فکرِ اقبال، ترجمہ: افتخار احمد صدیقی ، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۳ء، ص ۱۰۵

۲۴۔ اقبال ، علامہ اقبال ، تقریریں ، تحریریں اور بیانات ، مترجم اقبال احمد صدیقی ، لاہور ، اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۹۹۹ء، ص ۴۵

۲۵۔ اقبال، علامہ اقبال ، تقریریں ، تحریریں اور بیانات ، ص ۴۱

۲۶۔ اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال ، مرتبہ سیّد مظفر حسین برنی ، دہلی ، اردو اکادمی ، جلد دوم ، اشاعتِ دوم، ۱۹۹۳ء، ص ۲۲۴

۲۷۔ اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال ، ج ۲، ص ۲۲۴

۲۸۔ اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال ، ج ۲، ص ۴۹۵

۲۹۔ اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال ، مرتبہ سیّد مظفر حسین برنی ، دہلی ، اردو اکادمی ، جلد سوم، ۱۹۹۳ء، ص ۱۴۲

30. Sherwani, Latif Ahmad, Speeches, Writings and Statements of Iqbal, Lahore, Iqbal Academy, Pakistan, 1977, P. 205-209.

۳۱۔ اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال ، ج ۳، ص ۱۳۹ ، ۱۴۰، ۱۴۱

۳۲۔ اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال ، ج ۳، ص ۳۲۹

۳۳۔ اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال ، ج ۳، ص ۴۵۸

۳۴۔ جاوید اقبال ، زندہ رود ، ص ۵۱۴

۳۵۔ جاوید اقبال، زندہ رود، ص۵۵۲

۳۶۔ اقبال، مقالاتِ اقبال، مرتب سیّد عبدالواحد معینی ، لاہور، شیخ محمد اشرف، ۱۹۶۳ء، ص۱۵۵، ۱۵۸

۳۷۔ اقبال، کلیاتِ فارسی ، ص۱۸۲۔۱۸۳

38. Muhammad Iqbal, Reconstruction of Religious Thought in Islam, Lahore, Shaikh Muhammad Ashraf, 1954. P. 7.

۳۹۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے :

(i) Javed Iqbal, Dr, Islam and Pakistan's Identity, Lahore, Iqbal Academy Pakistan, Vanguard Books Ltd, 2003, P. 365-6.

(ii) جاوید اقبال، ڈاکٹر، اقبال اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے کی اہمیت، ترجمہ: شفیق عجمی، مشمولہ اقبال شرق و مغرب کی نظر میں، مرتبہ سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی ، جی سی یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۲ء، ص۱۰۴۔۱۱۱

۴۰۔ اقبال، ضربِ کلیم/ کلیاتِ اقبال (اردو) ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹۸۱ء، ص ۶۵۸

۴۰۔ اقبال، ضربِ کلیم/ کلیاتِ اقبال (اردو) ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، ۱۹۸۱ء، ص ۶۵۸

۴۱۔ اقبال، گفتارِ اقبال، مرتبہ محمد رفیق افضل، لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، ۱۹۸۶ء، ص۱۷۷، ۱۷۸

۴۲۔ جاوید اقبال، زندہ رود، ص۱۰۶۰

۴۳۔ اقبال، علامہ اقبال، تقریریں، تحریریں اور بیانات، ص ۳۳۸۔۳۳۹

۴۴۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (فارسی)، ص۹۳۷

✲ ✲ ✲